کس لیے؟

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان بابت اگست

(۲) واقعہ یہ ہے کہ خالق سے کنارہ کش ہو کر مخلوقات ہی میں استغراق، عرض کر چکا ہوں، یہی بے دینی کی روح ہے، امریکہ اور یورپ والوں کی لادینی زندگی کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ خالق سے بیگانہ ہو کر مخلوقات ہی کے ساتھ وہ چمٹے اور چپٹے ہوئے ہیں، میں کہہ چکا ہوں کہ بت پرستی کا مسلک اپنی معنویت کے لحاظ سے دین نہیں بلکہ بے دینی کی روح کو اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے۔ بار بار عرض کر چکا ہوں کہ یورپ و امریکہ کی جدید مادی مشرکانہ ذہنیت ہی کا "اصنامیت" یا "بت پرستی" ایک پرانا بھرا چولا ہے، یعنی خالق سے بیگانگی اختیار کر کے مخلوقات کے ساتھ عقلی رشتہ کے ساتھ ساتھ "مذہبی جذبہ" کے رخ کو بھی مخلوقات کی طرف پھیر دیا گیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ باوجود بے دینی کے ہر بت پرست اپنے آپ کو پکا دین دار یقین کرتا رہا ہے آج تک اسی یقین پر اس طبقہ کا اصرار اس وقت تک قائم اور پوری قوت کے ساتھ قائم ہے، مغالطہ کا منشا یہی ہے کہ "مذہبی جذبہ" کے سارے عملی مظاہر عبادت و دعا، ذکر و فکر، پوجا پاٹ، پرارتھنا اور پرستش، جب تک یہ ساری چیزیں ان کی زندگی کے لازمی عناصر بنے ہوئے ہیں اس لحاظ سے ان کا "مذہبی جذبہ" بجائے تعطل اور بے کاری کے قطعاً زندہ اور بیدار رہتا ہے، فخر کے ساتھ سینے تان کر مذہب اور دین کے نمائندوں میں اپنے آپ کو شمار کرتے ہیں، اور دوسرے جن کو ان کے طرز عمل سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو لیکن بہرحال وہ بھی تسلیم ہی کرتے ہیں کہ بت پرست یورپ و امریکہ کی مادی ذہنیت رکھنے والوں کی طرح

لامذہب اور بے دین تو نہیں ہیں، بلکہ مذہبی طبقات ہی میں شمار ہونے کا وہ جائز حق رکھتے ہیں۔

یہی ایک ایسا ذہنی الجھاؤ اور فکری سرسام ہے جس کی وجہ سے بے دینی نظر آتی ہے کہ دینداری بھی۔

واقعہ یہ ہے، کہ بھوک اور پیاس کی کیفیت آدمی میں اس لیے رکھی گئی ہے کہ حرارت غریزی سے بدن کے جو اجزا تحلیل ہوتے ہیں، ان کا بدل نئی غذا اور نئے پانی سے فراہم کیا جائے۔ اس لئے آدمی کھاتا بھی کھاتا ہے اور پانی بھی پیتا ہے، لیکن بجائے روٹی کے جو سنکھیا کی ڈلی اپنے منہ میں پھوڑ رہا ہو۔ اور پانی کی جگہ ہلاہل کا پیالہ چڑھا رہا ہو۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ بھوک اور پیاس کے فطری تقاضوں کی تکمیل وہ بھی کر رہا ہے لیکن نتیجہ ہی بتائے گا کہ ان فطری تقاضوں کے غلط استعمال کا انجام کیا ہوا؟ بدن کے تحلیل یافتہ اجزا، کا بدل مہیا ہوا یا تحلیل پانے کے بعد بچے کھچے عناصر بھی بدن کے خشک ہو کر ختم ہو گئے، یقیناً سنکھیا کھانے اور زہر ہلاہل کے شربت کے پینے سے تو یہ کہیں بہتر تھا کہ بھوک اور پیاس کے تقاضوں ہی سے ایسا آدمی بہرا، گونگا بن جاتا۔ جو نہیں کھا رہا ہے، نہیں پی رہا ہے اس کے متعلق تو یہ امید ہو سکتی ہے کہ آخر کب تک؟ فطرت کے تقاضوں کو کب تک جھٹلائے گا بھوک اور پیاس کے اندرونی مدا لیے بہرحال اسے بے چین کر کے رہیں گے، ہر پھر کر اسے کھانا بھی پڑے گا اور پینا بھی پڑے گا، لیکن جو کھا ہی رہا ہو خواہ سنکھیا ہی کیوں نہ کھا رہا ہو، جو پی ہی رہا ہو خواہ زہر ہی کا پیالہ ہی کیوں نہ پی رہا ہو۔ بھلا اس کو کھانے اور پینے کا مشورہ کیسے دیا جائے اور کیا دیا جائے بت پرستی میں مذہبی جذبہ "خوابیدہ" نہیں بلکہ بیدار اور قطعاً بیدار، زندہ، جیتا جاگتا رہتا ہے۔ مگر اس جذبے کے استعمال کا جو قدرتی طریقہ ہے اور جس کام کے لئے یہ جذبہ آدمی میں پیدا کیا گیا ہے۔ اس پیدائشی مقصد سے ہٹا کر اس جذبہ کے استعمال کو غلط کر دیا گیا ہے۔

(۳) غلط ہی نہیں بلکہ بجائے خالق کے الٹ کر "مخلوق" کے ساتھ اس جذبہ کا رشتہ قائم کر کے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی جاتی ہے کہ اونچا کرنا اور اوپر چڑھانا ہی کام جس جذبہ کا تھا۔

اسی کے بل بوتے پر آدمی اپنے خالق و مالک کے قدموں تک پہونچ سکتا تھا جب مخلوقات ہی کے ساتھ اسی جذبہ کو الجھا دیا جاتا ہے، تو بجائے چڑھانے کے انسانی فطرت کی یہی قوت محرکہ یا اس کا

یہی اندرونی رجحان آدمی کو گھسیٹتے ہوئے گراتی ہی چلی جاتی ہے، خالق جو ایک ہے اس سے ڈر کر مخلوقات ہی کے ساتھ مذہبی جذبہ اور دینی میلان کے رشتہ کے جوڑنے کی راہ جب کھول دی گئی تو مخلوقات کی بھلا کوئی حد ہے یا انتہا؟

مذہبی جذبہ کے استعمال کا یہ تجربہ، ناکام تجربہ چند مخلوقات ہی تک پہنچکر کیسے ختم ہو سکتا تھا؟ اس مخلوق سے نہیں تو شاید اس مخلوق سے یہاں نہیں تو وہاں کی مخلوق سے شاید کام نکل جائے اس گھن چکر میں پھنس جانے کے بعد جن جن بھول بھلیوں میں آدمی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اسے کھانا ہی چاہئے بت پرستی کی تاریخی روداد بتا رہی ہے کہ اس راہ میں آدمی پھسلتا اور بھٹکتا ہی چلا گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "خالق" سے ہٹا کر جب کبھی مذہبی جذبہ کو "مخلوقات" کے ساتھ وابستہ کیا گیا تو پھر قدرت نے کسی نقطہ پر ان ہٹنے والوں کو شاید ٹکنے نہ دیا۔ ٹھوکروں پر ٹھوکریں تھیں جو مسلسل لگتی ہی چلی جاتی تھیں اس کا متعین کرنا تو دشوار ہے کہ پوجنے والوں نے سب سے پہلے خالق کو چھوڑ کر کس "مخلوق" کو پوجا، کس مخلوق کے آگے آدمی نے اپنا سر نیاز پہلی دفعہ خم کیا، لیکن تاریخ کی شہادت بھی یہی ہے اور آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ ملائکہ شیاطین جن انس حیوانات نباتات جمادات عناصر سیارے اور ستارے الغرض سارے علویات و سفلیات کو آدمی کے معبود بننے کا فخر حاصل ہو چکا ہے، واقعہ جس شکل میں پیش آیا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ لگ پر لگ لگاتے ہوئے قدرت کا انتقامی قدم ایک درجہ سے گرا کر دوسرے درجہ پر اور دوسرے سے تیسرے درجہ پر مخلوق پرستوں کو ٹپکتا ہی چلا گیا ہے

اللہ اللہ آنکھوں نے اس راہ میں کیا کیا نہیں دیکھا؟ آدمی نے آدمی کو پوجا، وہاں سے بھی دھکا پا کر نیچے گرا دیکھا گیا کہ جانوروں کی ٹانگوں کے آگے ہی منہ کے بل وہی آدمی پڑا ہوا ہے گھوڑوں، گدھوں، بیلوں اور ہاتھیوں، بندروں اور ریچھوں، لنگوروں اور بھیڑیوں، سانپوں اور بچھوؤں کے سامنے آدم کی اولاد سر بسجود ہے بات اسی نقطہ پر پہنچ کر ختم نہیں ہو گئی، لگانے والے نے اور ٹھوکر لگائی، پایا گیا کہ نباتات کی جڑوں کے نیچے بھی وہی غریب آدمی لوٹ رہا ہے اور اس پر بھی وہ نہ ٹھہرایا۔ شاید

نہ ٹھہرایا گیا، پھر جو نہ سنتے تھے اور نہ دیکھتے تھے نہ ان میں کسی قسم کا احساس تھا ان کے آگے یہی سننے والا دیکھنے والا سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان کیسی عجیب بات اور کتنا حیرت انگیز، دردناک نظارہ تھا کہ اپنے ہاتھوں کو جوڑے بھیک مانگنے کے لئے کھڑا ہوا ہے دریاؤں کے آگے پہاڑوں کے آگے پہاڑوں کی چٹانوں کے آگے سورج کے آگے چاند کے آگے اور میں کیا کیا بتاؤں کن کن کے آگے دستِ سوال دراز کئے ہوئے اسی اشرف المخلوقات کو دیکھنے والوں نے کیا نہیں دیکھا ہے۔ یا آج بھی کیا نہیں دیکھ رہے ہیں؟

خالق سے کٹ جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے "انسانیت" لٹ گئی اس کی آبرو لٹ گئی اس کا مقام ڈھ گیا، اپنے پیدا کرنے والے سے ان کٹ جانے والوں کی قسمت میں ٹھوکروں پر ٹھوکروں دھکوں پر دھکوں کے سوا شاید اور کچھ باقی نہیں رہتا، جو اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے ہم دیکھتے ہیں اسی طرح سنتے ہیں جیسے ہم سنتے ہیں، اسی طرح سوچتے ہیں، جیسے ہم سوچتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ہم ان میں دور دور کی کوڑیوں تک کے لانے والوں کو پایا اور دیکھا گیا ہے اسی سے توجہ ملتی آتا ہے کہ شاید مکافات و مجازات کے حقیقی مظاہر کے ظہور سے پہلے قدرتی انتقاموں کی یہ پرچھائیاں ہیں جو خاکی زندگی کے اسی عبوری دور میں ان انسانیت سوز رسوائیوں کے بھیس میں ان لوگوں کے آگے آتی رہی ہیں جو اپنے پیدا کرنے والے کے آستانے کو چھوڑ کر وہی جن کا سب کچھ ہے ان "مخلوقات" کی طرف دوڑ پڑے جن کے پاس اپنا کچھ نہیں ہوتا،

اس میں شک نہیں کہ اس حد تک یعنی خالق سے بے گانگی اور مخلوق میں استغراق کی حد تک [illegible] ہیں کہ شرک کے پرانے اور نئے مجرم دونوں ہی برابر ہیں، بلکہ کائنات کی آفرینش و پیدائش [illegible] کی طرف منسوب کرکے زندگی کی عام ضرورتوں اور حاجتوں میں خود اپنے آپ کو اپنی بیرونی اور اندرونی صلاحیتوں کو کافی ٹھہراتے ہوئے حق سبحانہ و تعالیٰ سے بے نیازی کے خیال خام خیال کو جو اپنے اندر پکاتا ہے اس حد تک تو شرک ہی کے جرم کا مجرم وہ بھی ہے۔ آخر خود وہ بھی تو خالق نہیں مخلوق ہی ہے، بتایا جا چکا ہے کہ اس مشرکانہ ذہنیت کے تسلط ہی کے ساتھ ہی آدمی کا

وجود زمین کی پشت کا ایک ایسا لایعنی" لاحاصل، ناکارہ بوجھ بن کر رہ جاتا ہے کہ اس فکری آفت میں مبتلا ہونے والے لاکھ سوچیں کچھ بھی کر گزریں لیکن یہ بات کہ ان کا وجود ان کے عدم سے بہتر ہے۔ دنیا کی کوئی منطق اس دعوی کے ثابت کرنے میں ان کی مدد نہیں کر سکتی۔

جس نصب العین کی تکمیل کے لئے پیدا کرنے والے نے آدمی کو پیدا کیا ہے، جب تک وہی نصب العین سامنے نہ آجائے، اس سوال کا یعنی آدمی کس لئے پیدا کیا گیا ہے، اس کا جواب نہ اب تک کسی کو ملا ہے اور نہ آئندہ مل سکتا ہے، میں نے کہا تھا کہ اپنے وجود کے اس قدرتی نصب العین کو گم کر دینے کے ساتھ ہی یہ واقعہ ہے کہ عفونتوں اور غلاظتوں کے مقابلہ میں بھی آدم کی اولاد بے قیمت ہو کر رہ جاتی ہے، جن سے اور کچھ نہیں تو کھیتوں میں ڈال کر کھاد ہی کا کام لیا جا سکتا ہے اور لیا جاتا ہے کھاد ہی کی شکل میں سہی اپنے وجود کا فائدہ اپنی قدر و قیمت کو وہ بھی ثابت کر کے تو رہتی ہیں، پہلے بھی اس پر کافی بحث کر چکا ہوں،

بہرحال حق یہی ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ رسوائیوں اور خواریوں کی شکار انسانیت جیسے پرانی مشرکانہ ذہنیت یعنی مخلوق پرستی کے دور میں ہو گئی تھی آج بھی جدید مادی تہذیب میں ذلت و پستی بے قدری ولاحاصلی کا یہ داغ، سیاہ داغ اس کی پیشانی سے نہیں مٹا ہے، آخر کائنات کی صفوں میں سب سے زیادہ بے قیمت، بے نتیجہ لاحاصل بن کر رہ جانا حقارت و ذلت، خواری اور رسوائی کے سوا اسے اور کیا سمجھا جائے؟ کوئی شبہ نہیں اور اسے ماننا ہی چاہئے کہ اس حد تک شرک قدیم ہو یا جدید، دونوں ہی کا حال کچھ ایک ہی سا ہے، لیکن یہ ہمہ اشتراک و یک رنگی۔ معاذ اللہ انسانی شرافت و کرامت کے چہرے کی وہ سیاہیاں جو "مخلوق پرستی" کے ہاتھوں بھری گئیں، وہی جس کی بدولت گویا ساری مخلوقات اور ساری کائنات ہی کو حق حاصل ہو گیا کہ آدمی کے معبود اور "الٰہ" بن جائیں اور بن جائیں کیا معنی؟ ان میں کون سی چیز ایسی باقی رہ گئی ہے، جس کی بندگی کا پٹہ آدم کے بچوں کے گلے میں نہیں بندھ چکا ہے، یا اس وقت تک نہیں بندھا ہوا ہے،

اُف! جو ان سب میں اونچا، سب سے بڑا، سب سے مکرم، سب سے زیادہ محترم و گرامی عزت

دالا تھا، وہی سب کے نیچے جا پڑا، ساری کائنات ہی گویا اس پر چڑھ بیٹھی سب ہی آقا ہی کیا باضابطہ رب اور معبود بن گئے اور انسانیت کے نیچے جھکی ہوئی، پسی ہوئی "انسانیت" کراہتی رہی اس وقت تک کراہ رہی ہے۔ قرآن کی سورہ "التین" کی آیتوں یعنی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ	یہ واقعہ ہے کہ پیدا کیا ہم نے آدمی کو سب سے اچھے
تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ	قالب میں پھر پلٹا دیا ہم نے اسی آدمی کو اس طور پر کہ سارے نیچوں میں سب سے زیادہ نیچے وہی ہو گیا

کا مطلب لوگ کیا سمجھتے ہیں، لیکن آگے جو خبر دی گئی کہ ایمان اور عمل صالح والوں کے سوا سب ہی اس حال میں گرفتار ہوئے یعنی سارے نیچوں کے نیچے ہو گئے، اپنا خیال تو اس کی روشنی میں اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ جو واقعہ پیش آ چکا ہے آنکھوں سے جو کچھ دیکھا جا رہا ہے یہ اسی کی تصویر ہے۔ شرک کے دور قدیم میں بھی اس کا تماشا کیا گیا تھا، اور نئے مادی چولے میں شرک کی اسی "ذہنیت" نے آج یورپ و امریکہ سے جو سر نکالا ہے وہ بھی "انسانیت" کو اسی دردناک انجام تک تقریباً پہنچا چکی ہے کم از کم آدمی کا وجود سب سے زیادہ بے قیمت بن کر تو رہ ہی گیا ہے، بلکہ دوسری جگہ یعنی سورۃ الحج میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ

مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ	اللہ کے ساتھ جو بھی کسی کو شریک بناتا ہے ایسا سمجھو
مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُہُ الطَّیْرُ	کہ گویا وہ آسمان سے گرا اگر گرتا پڑا پھر (بیچ ہی میں)
اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ	کسی پرندہ باز بحری وغیرہ) نے اس کو اچک لیا
سَحِیْقٍ ۝	یا گراتے ہوئے آندھی اسے دور دراز جگہ میں لئے چلی جاتی ہو،

آپ دیکھ چکے کہ مادیت کے جدید مشرکانہ رجحان میں آدمی کا وجود کیا عدم کے برابر نہیں ہو جاتا یقیناً ایسی ہستی کی شکل وہ اختیار کر لیتا ہے جس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی مفاد کسی کا وابستہ نہیں ہے، اپنے پیدا کرنے والے خالق کے لئے ہے نہیں، اور مخلوقات میں کسی کو انسانی وجود کی ضرورت نہیں ایسی

صورت میں نظامِ کائنات کے اندر ایک ایسی حیثیت اس کی ہو جاتی ہے کہ رہے تو کیا اور نہ رہے تو کیا ہمارے زمانہ کی جدید نئی مشرکانہ ذہنیت" کا یہ قدرتی منطقی نتیجہ ہے' مطلب جس کا یہی ہوا کہ وہ کچھ باقی نہ رہا اس کا بود نا بود کے ہم معنی ہو کر رہ گیا' بار بار اس مسئلہ کو دہرا چکا ہوں کہ دوسرے تو دوسرے آدمی کے حافظے سے خود اپنی یاد کا چراغ اس ذہنیت کے شکار ہونے کے ساتھ ہی بجھ جاتا ہے گویا اپنے آپ ہی کو آدمی کا حافظہ اس طور پر نگل جاتا ہے کہ اگلوانے کی لاکھ کوشش کی جائے تو وہ اس کو اگل ہی نہیں سکتا' جب تک کہ وہی یاد نہ آجائے جس کی یاد کے لئے آدمی پیدا کیا گیا ہے۔ الغرض بے معنی اور بے مقصد ہو کر "انسان" اس زمانہ میں جو کھو یا گیا ہے سمجھا جائے تو فتخطفہ الطیر (اچک لیا اس کو پرندے) کے الفاظ میں "شرک جدید" کے اس منطقی نتیجہ کا اشارہ شاید ہم پا سکتے ہیں شکاری پرندے باز بحری جرے یہی تو کرتے ہیں۔ اڑتی ہوئی چڑیوں کو ہوا سے اچک لیتے ہیں ان کے پوٹوں میں پہنچ کر چڑیوں کا وجود عدم کی شکل اختیار کر کے کبھی نو ہو جاتا ہے' سوچئے شرک کی جدید مادی رجحان میں اس کے سوا "انسانیت" کا انجام اور کیا ہوتا ہے؟ باقی "مشرکانہ ذہنیت" کا دوسرا نتیجہ کہ آندھی گراتے ہوئے دور دراز مقام کی طرف لئے اڑائے لئے چلی جاتی ہے یعنی "او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق" مخلوق پرستی میں مبتلا ہونے کے بعد جو بیتا آدم کی اولاد پر پڑی' آپ دیکھ چکے کہ اس کی یہ کتنی سچی تصویر ہے "خالق کی بندگی" اور عبادت سے اکتانے کے بعد اسی کی مخلوق" کو جاہلیت والے قدیم شرک میں معبود اور الٰہ جب بنا لیا گیا تو آدمی کی پیشانی کے لئے "پھرکوئی" قرارگاہ میسر آئی خالق سے آدمی کٹا' اور پھٹا پھر دیکھتے دیکھتے سے اکھڑ جانے والے پتنگ کی طرح "انسانیت" کے لئے غوطوں کے بعد غوطوں کے سوا اور بھی کچھ دیکھا گیا؟

بتا چکا ہوں کہ کس طرح ایک زینہ سے لڑھک کر دوسرے پر' دوسرے سے تیسرے پر یوں ہی نہ ختم ہونے والے سیڑھیوں کے ڈنڈوں پر قلا بازیاں کھاتے ہوئے وہ لڑھکتی ہی چلی گئی؟

سچ ہے کہ مشرک آسمان سے چکرا کر گرتا ہے۔ پھر بیچ ہی میں بے چارا کھو کر گم ہو جاتا ہے یا مخلوق پرستی کے عارضہ میں مبتلا ہو کر ٹھنیاں کھاتے ہوئے گرتا ہے، گرتا چلا جاتا ہے اور گرتا ہی چلا جاتا ہے اسی کے اندیشے "شرک" کی آندھی اٹھتی ہے، وہ اسے اڑانے لئے چلی جاتی ہے، بس "شرک" کا خواہ پرانا رنگ ہو یا نیا، ہر حال میں تباہی و بربادی کے سوا کوئی دوسرا انجام نہ پہلے سامنے آیا اور نہ آج آیا نہ آئندہ آئے گا۔

گر با ایں ہمہ، اپنے دل کی ایک بات کو بھی کیسے چھپاؤں، میرا یہ ایک ذاتی احساس ہے آپ بھی سن لیجئے۔ مطلب یہ ہے، کہ شرک کا باطنی وسوسہ دلوں میں جب کبھی پیدا ہوا تاریخ کی شہادت یہی ہے کہ عموماً اس ذہنی وسوسہ اور دماغی دغدغہ کے بعد "مخلوق پرستی" کہئے، یا "بت پرستی" کو لوگوں نے اپنا خوش گوار قومی مشغلہ بنا لیا۔

لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں، "نزول قرآن" کے بعد شاید یہ پہلا موقعہ ہے کہ سرزمین یورپ کے باشندوں کے اندر درحقیقت شرک ہی کی خارشت کا تقاضا پیدا ہوا، جس میں مبتلا ہونے کے بعد خالق سے بے اعتنائی کا رجحان یقیناً ان میں بڑھا اور بہت زیادہ بڑھا، بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واقعہ ہے، کہ "عقلیت" اور "آزاد تنقید" کا ذوق اور سلیقہ بھی غیر معمولی طور پر ان میں نشوونما پاتا رہا، اور اب تک پا رہا ہے گویا "ملکہ راسخہ" کی شکل اختیار کر چکا ہے، ان کے اس عقلی اور تنقیدی مشق و ممارست کو دیکھتے ہوئے بظاہر اس کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے کہ "مخلوق پرستی" کے پرانے سنن کو وہ بھی اسی طرح دہرانے لگیں گے، جیسے "نزول قرآن" اور "ظہور اسلام" سے پہلے "خالق" کو نالائق ٹھہراتے ہوئے قوموں نے خالق ہی کی پیدا کی ہوئی مخلوق کو پوجا ہے۔ آخر کچھ بھی سوچا جائے لیکن کیا یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ یورپ و امریکہ کے باشندے، سانپوں، بچھوؤں، کتوں، اور بلیوں، بندروں اور لنگوروں کو پوجیں گے ان کے آگے سر نیاز و عبودیت کو جھکائیں گے، پتھر کی تراشیدہ مورتیوں پر بتاشہ اور ریوڑیاں نہ سہی، چاکلیٹ اور لیمن جوس کیک اور پیسٹریاں چڑھائیں گے خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو عقل انسانی کی رسوائیوں کی تاریخ کا شاید سب سے بڑا خود گداز اور حد سے زیادہ دانش سوز یہ حادثہ ہوگا اور گویا یہ ماننا پڑے گا کہ بدیہی مشاہدات کے نتائج بھی جھٹلائے گئے لیکن جب تک

مشاہدات سے پیدا کئے ہوئے نتائج غلط ثابت نہیں ہوئے ہیں، اس وقت تک بھلا یہ کون سوچ سکتا ہے کہ اپنی موجودہ عقلی اور تنقیدی مہارتوں کے ساتھ "مخلوق پرستی" کے عارضہ کے یورپ وامریکہ کے باشندے سے اسی طرح شکار ہو جائیں گے، جیسے "قبل الاسلام" نزول قرآن سے پہلے قومیں شکار ہوتی رہی ہیں،

سوال یہ بھی ہے، کہ فطرت کا یہ "جبلی تقاضا" جس کا نام مذہبی جذبہ ہے، اس کا انجام آخر کیا ہونے والا ہے؟

اس وقت تک تو نام نہاد عیسائیت دکر سچیٹی کلیسائی ہو، یا غیر کلیسائی اسی کی دریدہ و بریدہ کرم خوردہ جھول ان ممالک کے باشندوں پہ پڑی ہوئی ہے اسی طرح کچھ "تھیوسوفازم یا اسپرچولزم" وغیرہ جیسی کچی، ادھوری، ناقص راہوں سے بھی بری بھلی کچھ خوراک "جبلت" کے اس تقاضے کو مل رہی ہے اگر مجازی خوراکوں کا یہ سلسلہ بھی ان ممالک میں جاری رہا اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان ہی لوگوں کی "بے درد اور آزاد عقلی تنقید" فریب کے اس ساز و سامان کو زیادہ دن تک لائے ہی چلی جائیگی جیسے بہ مشکل اس گٹھری کو اب تک وہ اٹھائے ہوئے ہے، بس دیکھنے کا وقت وہی ہوگا جب فطرت کا مذہبی تقاضا قطعی تعطل اور حقیقی مفلوجیت کے جال میں آجائے گا۔ باہر کی یہ ساری جھولیں اتر جائیں گی، اور ادھر ادھر سے طفل تسلیوں کی جو صورتیں کبھی کبھی نکل آتی ہیں، جب ختم ہو جائیں گی اور وہ بہرحال ختم ہی ہو کر رہیں گی، مذہب یا دین کے نام سے جو چیز ان کے یہاں پائی جاتی ہے، یعنی عیسائیت باطن سے اس کا بہت کم تعلق باقی رہا ہے، رسم ورواج روایات اور ٹریڈیشن کلچر وغیرہ جیسے الفاظ کے لفافوں میں اس کے بھرم کو چھپانے اور دبانے کی کوشش ظاہر ہے کہ کب تک کامیاب ہوگی۔ بس جب یہ سب کچھ نہ رہے گا، یہ لفافے پھٹ جائیں گے مصنوعی ٹٹیاں ٹوٹ جائیں گی تو بظاہر دو ہی صورتوں کا امکان ہے یعنی تعطل ومفلوجیت کے بعد درحقیقت تربیت کا یہ جذبہ واقعی بے جان اور منطعام دہ ہو کر ہمیشہ کے لئے ختم اور فنا ہو جائے گا۔ لیکن اس مذہب کے اس رجحان اور دین کے اس میلان کو پیدا کرنے والے ہی نے آدمی کی جبلت اور فطرت کے خمیر میں اگر گوندھا ہے اسی سرشت

کو یہ کہ آدمی پیدا ہوا ہے جس کے قوام ہی میں دینی جذبہ کا عنصر گھولا گیا ہے، تو یہ ناممکن ہے کہ "انسانیت" باقی رہ جائے اور اس کے فطری تقاضے مردہ ہمیشہ کے لئے مردہ، بے جان ہوکر رہ جائیں، جبلوں، حوالوں دوسرے وقتی خوش کن مشاغل اور رنگینیوں میں منہمک رکھ کر یہ تو ہو سکتا ہے کہ آدمی کچھ دیر کے لئے بھوک اور پیاس جیسے تقاضوں سے بھی غافل ہو جائے، لیکن اندر کے کسی تقاضے اور مطالبے سے غفلت یا تغافل دوام وثبات کی شکل اختیار کر لے یہ ناممکن ہے،

ان تقاضوں کے کلیتہً ختم ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ آدمی آدمی ہی باقی نہ رہے، حرارت اور روشنی آگ کی فطرت کا خلقی تقاضا ہے، ان دونوں جوہری خصوصیتوں کے ختم ہو جانے کے ساتھ ہی ظاہر ہے کہ کوئلہ رہ جائے یا چراغ کی بتی تو باقی رہ سکتی ہے، لیکن آگ کا وجود یقیناً ختم ہو گیا۔

پس ان قوموں میں مذہب کا یہ فطری تقاضا جب کبھی بیدار ہوا تو اس کا خطرہ یعنی "خالق" کی جگہ مخلوقات ہی کی گریبان میں اسی طرح لپٹ پڑے، جیسے پہلے لپٹا رہا ہے اور گھسیٹتے ہوئے پھر ان ہی کنوؤں کو جھکوائے جن کی تہ میں بھی کنوؤں، اور گندے، حد سے زیادہ گندے سڑے چہ بچوں ہی کا ناپیدا کنار سلسلہ ہے، کھائیاں اتھاہ کھائیاں، جن کا تہ اور ہے نہ چھور، ایڑیوں پر پھر "انسانیت" واپس ہوگی، انسانی نفسیات کے بعض تناسوں کے نزدیک آج یہ مسئلہ ناممکن قرار پا چکا ہے۔

پھر کیا ہوگا؟

اس کے سوا اور کیا کہا جائے جو کہنے والا کہہ کے جا چکا ہے رحمۃ اللہ علیہ

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زمین کے کس خوش قسمت حصہ میں یہ واقعہ پیش آئے گا، مگر کچھ زیادہ دور نہیں ہے اب وہ زمانہ کہ "انسانی جبلت" کا یہ فطری میلان اپنے پیدا کرنے والے خالق کو بھی ڈھونڈھیگا، اس کو ڈھونڈے گا، اس کی مرضی کو ڈھونڈھے گا، اس کی مرضی اور یہ کہ اپنے بندوں سے واقعی وہ کیا چاہتا ہے، اس کی آگاہی، غیر مشتبہ آگاہی کی جو قدرتی راہ ہے، اسی راہ کو پاکر رہے گا، اسی راہ پر چڑھیگا

چلے گا اور آدمی کو جو کچھ ہونا چاہیے، وہی ہو کر وہ رہے گا، اسی منزل تک پہنچ کر دم لے گا، لیکن خدانخواستہ اگر "تعطل تام" کے بعد یعنی کسی قسم کی مجازی ہو یا غیر مجازی خوراک کے میسرانے کے تمام ذرائع جب ختم ہو جائیں گے، اس کے بعد مذہب کا یہ رجحان اور دین کا یہ جذبہ یورپ و امریکہ کے باشندوں میں مردہ ہو کر رہ گیا، تو پھر یہی حادثہ دلیل ہوگا اس بات پر کہ جذبہ آدمی کا فطری اور جبلی جذبہ نہ تھا، بلکہ بیرونی مؤثرات کے زیر اثر کسی وجہ سے تقاضا مذہب کا یہ تقاضا دلوں میں پیدا ہو گیا یا کر دیا گیا تھا، لیکن ایسا ہوگا بھی کم از کم "مذہبی جذبہ" کی چیرہ دستیوں کا جو تماشا انسانی تاریخ دیکھ چکی ہے اس کا صحیح استعمال ہو یا غلط، لیکن ہلچل غیر معمولی ہلچل اسی جذبہ کی بدولت ہی آدم کے گھرانوں میں جواب تک برپا ہی ہے یا اس وقت تک کسی نہ کسی شکل میں یہ ہنگامہ آج بھی جس طریقے سے گرم ہے گرفت کی غیر معمولی طاقت سے دلوں پر جس رنگ میں یہ مسلط ہے دماغوں پر چھایا ہوا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ زور اندر سے نہیں، بلکہ باہر سے پیدا ہوا یا پیدا کر دیا گیا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ — اللہ کی فطرت، اسی فطرت پر پیدا کیا ہے

عَلَیْھَا — اللہ نے آدمی کو

قرآن کی آیت ہے کم از کم ایک مسلمان تو اس میں شک کرنے کے ساتھ ہی کچھ اور باقی رہے یا نہ رہے لیکن مسلمان تو باقی نہیں رہ سکتا۔

بہر حال ہے تو یہ کچھ عجیب بات، یعنی الحاد اور بے دینی کی "انسانیت سوز" آگ آج یورپ و امریکہ سے جو اٹھی ہے، بنی آدم کے بہی خواہوں میں جس سے کھلبلی مچی ہوئی ہے اس آتشیں سیلاب کے آئندہ عواقب و انجام کو سوچ سوچ کر سوچنے والے سہمے سہمے جا رہے ہیں، لیکن اسی آگ کے پیچھے دیدہ دلیری سمجھئے یا ایمانی فراست کہ دین ہی کے ہرے بھرے سر سبز و شاداب باغوں کا خواب دیکھ رہا ہوں اور طرفہ لطیفہ یہ ہے کہ ایک طرف خالص بے دینی کے اس مغربی قالب میں تو صالح اور صادق دین کی "تڑپتی ہوئی روح" مجھے محسوس ہو رہی ہے اور دوسری طرف اسی کے

مقابلہ میں مذہب اور دین کا وہ مانا ہوا پرانا ڈھانچہ جس کا نام مخلوق پرستی اور "اصنامیت" ہے، اس کے متعلق یہ خیال کہ باہر سے دیکھنے والوں کو دین کا مستقل نظام ہی کیوں نہ نظر آتا ہو، لیکن روح اس کی بھی وہی بے دینی ہے جس میں موجودہ مادی تہذیب نے آدمی کو مبتلا کر دیا ہے۔ حالانکہ عام احساس یہی ہے کہ "بت پرستی" "مذہب کی چاہے جتنی بگڑی ہوئی مسخ شدہ شکل ہو" مگر ہے تو وہ دینداری ہی کا ایک چولا اور رنگ مغربی الحاد اور دہریت کے سامنے سمجھنے والے جیسا کہ کہہ چکا ہوں کہ اسی رنگ کو بھی غنیمت ہی خیال کرتے ہیں، سمجھا یہی جاتا ہے کہ عبادت اور دعا، ذکر و فکر نماز روزہ وغیرہ جیسے مذہبی لوازم و آثار کے مضحکہ اڑانے والوں سے بہرحال وہ بہتر ہیں، جو مذہبی کاروبار کی ان شکلوں کو اب بھی احترام و عظمت ہی کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، ان کی قدر و قیمت کے معترف بھی ہیں اور عملاً جو اس کاروبار میں مشغول ہیں ان کی اب بھی عزت اور کافی عزت ان کے قلوب میں پائی جاتی ہے۔ خواہ یہ سارے مذہبی کاروبار "خالق" نہیں بلکہ "مخلوق" ہی کے تعلق سے ان میں انجام دئے جاتے ہوں، کہا جاتا ہے کہ نام تو چلتے ہیں،

خالق کائنات کے "اسماء حسنیٰ" نہ سہی اس کی کسی مخلوق، مثلاً آفتاب و ماہتاب، وغیرہ کے ہمسر نام ہی سہی، بہرحال ان سے تو بہتر ہیں جو "نام چلنے" یا "ذکر" کے اس طریقہ ہی کو سرے سے مہمل اور احمقانہ فعل قرار دئے ہوئے ہیں،

کچھ نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ بجائے خوابیدہ اور معطل و مفلوج بنا کر چھوڑ رکھنے کے، مذہب اور دین کے فطری تقاضے ان میں بیدار اور برسر کار تو ہیں "خالق" نہ سہی "مخلوق" ہی کے ساتھ اپنے ذہنی میلان اور رجحان کا رشتہ قائم کر کے اس کو وہ جگاتے اور تر و تازہ تو کرتے رہتے ہیں،

باقی آئندہ